قرآن کا معیارِ فکر و نظر

از

(جناب مولوی محمد قطب الدین احمد صاحب بی-اے)

الٓمّٓ ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ
نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ
وَالْاِنْجِيْلَ ۝ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ
وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ
وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ (آل عمران-۱)

"الف، لام، میم۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ کوئی نہیں مگر اسی کی ایک ذات الحی (یعنی زندہ کہ اس کے لئے زوال و فنا نہیں) القیوم (کہ کائنات ہستی کی ہر چیز اس سے قایم ہے، اور اپنے قیام کے لئے کسی کی محتاج نہیں) اسی نے سچائی کے ساتھ تم پر الکتاب نازل کی (یعنے قرآن نازل کیا) اس سے قبل جتنی کتابیں نازل ہو چکی ہیں ان سب کی تصدیق کرتی ہوئی آئی ہے اور اسی نے اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے تورات اور انجیل نازل کی تھی نیز اس نے الفرقان (یعنی نیک و بد اور حق و باطل میں امتیاز کرنے والی قوت) بھی نازل فرمائی۔ جو لوگ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں۔ انھیں (پاداش عمل) میں سخت عذاب ملنے والا ہے اللہ سب پر غالب اور (مجرموں کو) سزا دینے والا ہے"

ذات الٰہی کے الحی و القیوم ہونے کا مقتضیٰ یہ ہوا کہ وہ انسان کی زندگی اور قیام کی ساری احتیاجوں کو فراہم کر دے۔ جس طرح جسمانی ضرورتیں ہر طرح پر مہیا کر دی گئی ہیں۔ اسی طرح روحانی مطالبات کا بھی پورا پورا سر و سامان کر دیا گیا ہے۔ روحانی مطالبات کی تکمیل پذیری کے لئے اس نے دو چیزیں عطا کی

ہیں۔ ایک "الکتاب" اور دوسرے "الفرقان"۔ الکتاب وحی و الہام کا نورِ ہدایت ہے، اور الفرقان عقل و بصیرت کی روشنی ہے، جو اس کو سمجھتی اور قبول کرتی ہے۔ پہلی چیز تعلیم ہے اور دوسری تعلم کی استعداد، پہلی ہدایت کی قوت فاعلہ ہے، دوسری قوت منفعلہ، جب یہ دونوں کسی کام میں ہم عنان ہوتے ہیں تو نورٌ علیٰ نور، کا مصداق بنتے ہیں سنت الٰہی یہ رہی ہے کہ جو کفر و سرکشی سے الکتاب کا مقابلہ کرتے ہیں اور الفرقان یعنی جوہر عقل و تمیز سے کام نہیں لیتے۔ ان کے لئے دنیا میں بھی نامرادی ہوتی ہے اور آخرت میں بھی سخت عذاب کے مستوجب ٹھہرتے ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر قرآن اللہ کی ان بخششوں کو نور اور کتاب مبین سے تعبیر کرتا ہے۔

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ۝ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (المائدہ۔ ۱۵)

"اللہ کی طرف سے تمہارے پاس روشنی اور واضح کتاب آچکی خدا اس کے ذریعہ ان لوگوں پر جو اس کی خوشنودیوں کے تابع ہوں، سلامتی کی راہ کھول دیتا ہے اور اپنے حکم سے انھیں تاریکیوں سے نکالتا روشنی میں لے آتا اور (کامیابی و سعادت کی) سیدھی راہ پر لگا دیتا ہے۔"

یہاں جوہرِ عقل کو نور سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جس طرح آنکھوں کا اندھا نور و ظلمت میں فرق نہیں کر سکتا، ایسے ہی عقل و بصیرت سے کورا حق و باطل میں امتیاز کرنے سے قاصر رہتا ہے، عقل و وحی میں کوئی تضاد و تخالف نہیں، بلکہ وحی ان گتھیوں کو سلجھاتی ہے جن کی گرہ کشائی میں عقل درماندہ و عاجز رہتی ہے یہ ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ جو وظیفہ عقل کا ایک خاص حد اور سطح پر ہے۔ وہی کام اس سے ایک بلند تر قوت وحی و الہام کا ایک اعلیٰ تر سطح پر ہے جہاں عقل لغزش کھاتی اور بے راہ رو ہوتی ہے وہاں یہ اس کی دستگیری کرتا اور صراطِ مستقیم سے منحرف نہیں ہونے دیتا فرائض و وظائف کی اسی مماثلت کے سبب قرآن وحی و الہام کو بھی نور و فرقان سے تعبیر کرتا ہے۔

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (الانفال۔ ۲۹)

نقشے کہ بستہ ہمہ اوہام باطل است عقلے بہم رساں کہ ادب خوردہ دل است

اگر غور کیا جائے تو یہ بات معلوم ہوگی کہ انسان کی ساری فکری گمراہیوں کا اصلی سرچشمہ ان ہر دو کے باہمی تعلق کا لحاظ نہ رکھنا، اور کسی ایک طرف کو جھک جانا ہے۔ قرآن بیک وقت دونوں باتوں کی مذمت کرتا ہے، اس کی بھی کہ بغیر علم و بصیرت کے کوئی بات مان لی جائے، اور اس کی بھی کہ محض عدم ادراک کی بنا پر کوئی بات جھٹلا دی جائے۔ انسان یا تو عقل و بینش سے اس قدر کورا ہو جاتا ہے کہ ہر بات بلا جانے بوجھے ماننے لگتا ہے اور یا پھر اپنی فہم و دانش کے گھمنڈ میں اتنا بے لگام ہو جاتا ہے کہ جہاں کوئی حقیقت اس کی شخصی سمجھ سے بالاتر ہوئی فوراً اس کے انکار پر تل جاتا ہے۔ یہ دونوں حالتیں علم و بصیرت کے خلاف ہیں۔ جس عقل و بصیرت کا تقاضہ یہ ہوا کہ حقیقت اور وہم میں امتیاز کرے وہی اس کی بھی متقاضی ہوئی کہ کسی بات کو محض اس بنا پر رد نہ کر دے کہ وہ اس کی سمجھ سے مافوق ہے۔ قرآن کے نزدیک اصحابِ علم و عرفان وہ لوگ ہیں جو نہ جہل و کوری کی راہ چلتے ہیں اور نہ شک و الحاد کی کسی چیز کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں اور ان ہر دو کا حکم یکساں نہیں۔ ایک یہ کہ کوئی بات عقل کے خلاف ہو اور دوسری یہ کہ وہ کسی کی عقل سے ماوراء ہو۔ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا کسی کی فہم احاطہ نہیں کر سکتی لیکن اس پر یہ حکم لگایا نہیں جا سکتا کہ وہ سراسر عقل کے خلاف ہیں اول تو تمام افراد کی عقلی استعداد یکساں نہیں ایک آدمی موٹی سے موٹی بات بھی نہیں سمجھ سکتا۔ اور دوسرا باریک سے باریک نکتے حل کر لیتا ہے۔ دوم یہ کہ عقل انسانی برابر نشو و ارتقار کی حالت میں ہے ایک عہد کی عقل جن باتوں کا ادراک نہیں کر سکتی، دوسرے عہد کے لئے وہی چیزیں عقلی مسلمات میں شمار ہوتی ہیں۔ سوم یہ کہ عقل انسانی کا ادراک ایک خاص حد سے تجاوز نہیں کر سکتا اور یہ عقل ہی کا فیصلہ ہے کہ سب کچھ اتنا ہی نہیں جن کا احاطہ اس نے کر لیا ہے۔

گذر جا عقل سے آگے کہ یہ نور چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے

جو لوگ عقل و بصیرت سے کام نہیں لیتے ان کے متعلق قرآن کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ

اور کتنے ہی جن و انس ہیں جنہیں ہم نے جہنم کے لئے پیدا کیا ہے (یعنی بالآخر ان کا ٹھکانا جہنم ہونے والا ہے)

بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ۝ (الاعراف ۱۷۹)

ان کے پاس عقل ہے مگر اس سے سمجھ بوجھ کا کام نہیں لیتے، آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے۔ کان ہیں مگر ان سے سننے کا کام نہیں لیتے۔ وہ (عقل وحواس کا استعمال کھوکر) چارپایوں کی طرح ہو گئے بلکہ ان سے بھی زیادہ کھوئے ہوئے۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو یک قلم غفلت میں ڈوب گئے ہیں۔"

قرآن نے جا بجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ ہدایت وسعادت کی راہ عقل وتفکر کی راہ ہے اور گمراہی وشقاوت کا سرچشمہ۔ جہل وکوری اور حواس و تفکر کو بے کار کر دینا ہے، قرآن کے نزدیک ایسا ہی گروہ جہنمی ہے۔

معرفت حقیقت کی دو ہی راہیں ہیں۔ فکر اور نظر۔ فکر یہ کہ خدا کی دی ہوئی عقل سے کام لیں اور نظر یہ کہ کائنات ہستی کے عجائب و دقائق کا مشاہدہ کریں، اور اس سے بصیرت حاصل کریں جو شخص ان دونوں باتوں سے محروم ہے۔ وہ اندھا، بہرا اور گمراہی سے لوٹنے والا نہیں ایک دوسرے مقام پر ان لوگوں کی بابت ارشاد ہے:۔

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ (الانفال ۲۲)

یقیناً اللہ کے نزدیک سب سے بدترین حیوان وہ (انسان) ہیں جو بہرے گونگے ہو گئے جو کچھ سمجھتے نہیں۔"

قرآن کی کوئی سورۃ اور سورۃ کا کوئی حصہ نہیں جو تفکر اور تعقل کی دعوت سے خالی ہو۔ وہ جا بجا اس بات پر زور دیتا ہے کہ انسان کے لئے حقیقت شناسی کی راہ یہ ہے کہ وہ خدا کی دی ہوئی عقل وبصیرت سے کام لے اور اپنے وجود کے اندر اور اپنے وجود سے باہر جو کچھ بھی دیکھتا اور محسوس کر سکتا ہے اس میں تدبر وتفکر کرے۔

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ وَفِي

اور یقین رکھنے والوں کے لئے زمین میں (معرفت حق

اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ○	کی نشانیاں ہیں، اور خود تمہارے وجود میں بھی، پھر کیا تم دیکھتے نہیں"

ایک مقام پر پیغمبر اسلامؐ کو حکم دیا جاتا ہے کہ اس بات کا اعلان کریں کہ میری راہ علم و بصیرت کی راہ ہے

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (یوسف)	کہہ دو میری راہ تو یہ ہے کہ میں اس روشنی کی بنا پر جو میرے سامنے ہے اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ اور (اس راہ میں) جن لوگوں نے میرے پیچھے قدم اٹھایا ہے وہ بھی (اسی طرح) بلاتے ہیں"۔

یہاں بصیرت کا لفظ لایا گیا ہے، جس کے معنی علم، معرفت اور یقین کے ہیں۔ قرآن کہتا ہے جس راہ کی طرف میں بلاتا ہوں اس کے لئے میرے پاس علم و یقین ہے کیا تمہارے پاس بھی ایسا کوئی علم و یقین ہے۔ اگر نہیں ہے تو اتباع علم و عرفان کا کرنا چاہیئے نہ کہ وہم و گمان کا:۔

علم کی حد سے پرے، بندۂ مومن کے لئے لذّتِ شوق بھی ہے، نعمتِ دیدار بھی ہے

قرآن کا مطالبہ ہے کہ ہر انسان اس کے مطالب میں غور و فکر کرے

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝ (النساء - ۸۲)	کیا یہ لوگ قرآن کے مطالب میں غور و فکر نہیں کرتے؟ اور خدا کی دی ہوئی عقل و بصیرت سے کام نہیں لیتے؟) اگر یہ کسی دوسرے کی طرف سے ہوتا، تو یہ ضروری تھا کہ یہ اس کی بہت سی باتوں میں اختلاف پاتے (حالانکہ وہ اپنی ساری باتوں میں از اول تا آخر کامل طور پر ہم آہنگ و یکساں ہے")

اس آیت کے بعد کسی کا یہ سمجھنا کہ وہ صرف اماموں اور مجتہدوں ہی کے سمجھنے کی چیز ہے، کہاں تک حق بجانب ہے حضرت عمرؓ جیسی صاحب حکم و اختیار شخصیت ایک مجوزہ کی تاویل و تفسیر پر تعین

مہر سے باز رہی ۔ اندھی تقلید کرنے والا قرآن پر غور و فکر کرنے والا نہیں ہو سکتا

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب ۔ گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشّاف

کتاب الٰہی کا فہم و مطالعہ ایک سلیم الطبع انسان کو صحیفۂ فطرت اور موجوداتِ عالم کے مطالعہ و تدبّر کی طرف مائل کر دیتا ہے ۔ قرآن کی حیثیت صحیفۂ فطرت کے ایک انڈکس (Index) کی سی ہے یہ ایک شاہ کلید ہے (Master Key) جس سے کائنات کے رازہائے سربستہ کھلتے اور کشادہ آغوش ہوتے ہیں قرآن ہر موقع پر حرف و صوت کے پردوں میں اس راہ پر گامزن ہونے کے لئے اپنے دل نواز نغموں سے ابھارتا رہتا ہے

کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ ۔ مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ
اس جلوۂ بے پردہ کو پردوں میں چھپا دیکھ ۔ ایامِ جدائی کے ستم دیکھ، جفا دیکھ
بے تاب نہ ہو معرکۂ بیم و رجا دیکھ

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل، یہ گھٹائیں ۔ یہ گنبدِ افلاک، یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ، یہ صحرا، یہ سمندر، یہ ہوائیں ۔ تھیں پیشِ نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آئینۂ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ

خورشیدِ جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں ۔ آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
جچتے نہیں، بخشے ہوئے فردوس نظر میں ۔ جنت تری پنہاں ہے ترے خونِ جگر میں
اے پیکرِ گل، کوششِ پیہم کی جزا دیکھ

حضرت ابراہیمؑ کے مطالعۂ کائنات کا ایک تمثیلی واقعہ قرآن نے پیش کیا ہے ۔ کائنات کے اس مطالعہ سے ان پر توحید الوہیت کا راز منکشف کر دیا گیا ۔ اس کی تفصیل اس طرح پر ہے کہ جب شام ہوئی تو زہرہ برافگندہ نقاب ہوئی اور اپنی ساری درخشانیوں کے ساتھ پردۂ شب سے جھانکنے لگی حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کا عقیدہ نقل کر کے کہا کہ یہ چمکتا ہوا کوکب میرا پروردگار ہے، لیکن جب کچھ دیر بعد وہ ڈوب گیا، تو انھوں نے کہا کہ جو ہستیاں ڈوب جانے والی ہیں میں ان کا پرستار نہیں، کیوں کہ

یہ کسی کے ٹھہرائے ہوئے قاعدہ کی پابند ہیں، یہ پروردہ ہیں۔ پروردگار نہیں۔ پھر چاند چمکتا ہوا نکل آیا، وہ بولے یہ پروردگار ہے، لیکن وہ بھی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ اب صبح ہوئی اور نیر اعظم افق تاب ہوا۔ اس کی روشنی کو بھی قرار و ثبات نہ تھا، پہلے چڑھنے لگی، پھر ڈھلنے لگی، اور آہستہ آہستہ پردۂ ظلمت میں روپوش ہوگئی۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا جو قوت ان پر حکمراں و قہرماں ہے۔ میں اسی کا پجاری ہوں، میں صرف اسی کا ہو رہا، میری راہ شرک کرنے والوں کی راہ نہیں،

ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں
براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے

ہم مسلمانوں کی اس وقت کیفیت یہ ہے کہ کوئی بات کا سلیقہ نہیں، اور نہ ہمیں کسی کام کا ڈھب آتا ہے۔ اندھی تقلید نے ہم میں ایسی غلامانہ ذہنیت کو فروغ دے دیا ہے کہ طبیعتیں یکسر تازہ کاری اور جدت آفرینی سے ناآشنا ہو چکی ہیں کوئی بھی اپنی سحر طرازیوں سے ہمیں اچک لے جاتا ہے

میں ہلاکِ جادوئے سامری میں قتیلِ شیوۂ آذری
نہ سلیقہ مجھ میں کلیم کا، نہ قرینہ مجھ میں خلیل کا

ہم ملا اور صوفیوں کے دام تذویر میں کچھ ایسے اسیر ہیں کہ جو کتاب زندہ مردوں کو حیات نو بخشنے والی تھی اس سے ہم درسِ فنا لے رہے ہیں اور صرف استعضاد و جانکنی کی حالتوں میں اس سے آسانی کے ساتھ آغوشِ لحد میں دراز ہونا سیکھ رہے ہیں۔

حیات از حکمتِ قرآں نگیری
بہ بند صوفی و ملا اسیری

کہ از یٰسین او آساں بمیری
بہ آیاتش ترا بس کار اینست

یہ وہ کتاب زندہ تھی جس کی ایک آیت کے مجرد سماع نے حضرت عمرؓ کی زندگی بدل ڈالی اور جو عمر سے فاروق اعظمؓ بن گئے اور جس کی ایک آیت کی تصدیق نے حضرت ابوبکرؓ کو صدیق اکبرؓ بنا دیا۔ یہ اثر و نفوذ اب بھی اس میں اسی قوت و اثر انگیزی کے ساتھ موجود ہے، مگر استعداد و صلاحیت کا فقدان ہے۔ یہ وہ کتاب زندہ ہے جس کی کار فرمائیوں اور حیات آفرینیوں کی ایک ہلکی سی جھلک اقبال نے اپنے اشعار میں اس طرح دکھائی ہے۔

حکمتِ او لایزال است و قدیم
آں کتاب زندہ قرآنِ حکیم

فاش گویم انچہ در دل مضمر است | این کتابے نیست چیزے دیگر است
چون بجاں در رفت، جاں دیگر شود | جاں چو دیگر شد، جہاں دیگر شود
گر تو می خواہی مسلماں زیستن | نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن
مثل حق پنہاں، و ہم پیداست او | زندہ و پائندہ و گویاست او
صد جہاں تازہ در آیاتِ اوست | عصرہا پیچیدہ در آناتِ اوست
بندۂ مومن ز آیاتِ خداست | این جہاں اندر بر او چوں قباست
چوں کہن گردد جہانے در برش | می دہد قرآں جہانے دیگر است

قرآن کا مرکزی اور محوری نقطہ جس کے گرد اس کی تمام آیات وسور گھوم رہی ہیں وہ توحید الوہیت ہے، شرک کی ساری آلودگیوں، اور تعدد دوئی کے تمام شائبوں سے اس کو پاک اور منقح کرکے پیش کیا گیا ہے۔ اس عقیدۂ توحید کا سب سے زیادہ انقلابی کارنامہ یہ تھا کہ اس نے عبادت کے رائج الوقت مفہوم کو بالکل بدل دیا اور اس میں ایسی وسعت اور ہمہ گیری پیدا کی کہ عملی زندگی کا کوئی شعبہ اس کے دائرہ اثر سے خارج نہیں رہا، اس نے عبادت کو زندگی کے تمام شعبوں پر پھیلا کر دینی اور دنیوی کی مصنوعی تفریق مٹا دی، اور ایک وحدت میں منسلک کر دیا۔ اس نے انسان کی اخلاقی اور مذہبی ذمہ داریوں کو اتنی وسعت دی کہ اس کا کوئی عمل اصول مذہب یا قانون اخلاق کے تقاضوں سے آزاد نہیں رہا، زندگی کا ہر قدم اور اعضاء و جوارح کی ہر جنبش جس کا رخ صحیح اور روحانی نصب العین کے منافی نہ ہو اسلام کی نظر میں عبادت کا حکم رکھتی ہے، چنانچہ بخاری و مسلم کی ایک حدیث حضرت سعد وقاصؓ سے یوں روایت کی گئی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "اگر تم اللہ کی خوشنودی چاہتے ہوئے جو کچھ بھی خرچ کروگے اللہ اس کا اجر دے گا خواہ اپنی بیوی کے منہ میں ایک لقمہ ہی اس غرض سے رکھ دو۔" وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ؎ اسی حقیقت کا اثبات ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسانوں اور جنوں کو نماز روزہ اور دوسری معروف عبادات میں چوبیس گھنٹے لگے رہنا چاہئے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مذہبی نصب العین اور اخلاقی اقدار کے

حصول میں، جو کام بھی انجام دیا جائے گا وہ داخلِ عبادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں آدمی کا کھانا پینا، شادی بیاہ، ازدواجی اور معاشری فرائض کی بجا آوری، حصولِ علم کی جدوجہد، اور تمام دیگر مشاغل، جن کا تعلق معاشرت، سیاست اور تمدن سے ہو اس کے لئے عبادت کا درجہ رکھتے ہیں۔ صحابہ کرام کے زمانہ میں دینی اور دنیوی امور میں تفریق، جو زمانہ مابعد میں رونما ہوئی، اپنا وجود نہ رکھتی تھی۔ ہمارے اس دورِ انحطاط میں وہ شخص زیادہ قابلِ احترام سمجھا جاتا ہے جو زیادہ سے زیادہ نماز روزہ اور طرح طرح کی ریاضتوں اور مجاہدوں میں مشغول رہتا ہے۔ اسلام نے عبادت کا جو وسیع مفہوم پیش کیا ہے اس کی روشنی میں اصل معیارِ فضیلت یہ ہوگا کہ اس شخص کی زیادہ عزت کی جائے گی جو اخلاقی نقطۂ نظر سے معاشرہ کے لئے زیادہ مفید ہو، سیاست و تمدن کے دائرہ میں قوم کی صحیح رہبری کرے، اور معاشری خرابیوں کے دور کرنے میں جان و مال کی قربانیوں سے بھی دریغ نہ کرے۔ حضرت عمرؓ کا یہ قول کہ کسی شخص کے نماز روزہ کو نہ دیکھو بلکہ اس کی سچائی اور عقلمندی کا زیادہ خیال کرو اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جو شخص مذہبی عبادات پر قناعت کر لیتا ہے، اور معاشری فرائض کی بجا آوری میں تساہل برتتا ہے جو عبادت کا اصل مطلوب و مقصود ہیں، اس کی مثال اس سپاہی کی سی ہے جو مشق و تربیت کے دوران میں تو بڑی مستعدی دکھاتا ہے، لیکن عین جنگ کے موقع پر راہ فرار اختیار کرتا یا روپوش ہو کر گھر بیٹھ رہتا ہے

زاہد نداشت تابِ جمالِ پری رخاں	کنجے گرفت و یادِ خدا را بہانہ ساخت

ہر کتاب و تعلیم کے چند مرکزی مقاصد ہوتے ہیں، اور اس کی تمام تر تفصیلات انھیں کے گرد گھومتی رہتی ہیں، جب تک یہ مراکز سمجھ میں نہ آئیں، دائرہ کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آسکتی۔ قرآن کا بھی یہی حال ہے، اس کے بھی چند مرکزی مقاصد و مہمات ہیں، اور جب تک وہ صحیح طور پر سمجھ نہ لئے جائیں اس کی کوئی بات ٹھیک طور پر سمجھی نہیں جا سکتی۔

بغیر دل، ہمہ نقش و نگار بے معنی است	ہمیں ورق کہ سیاہ گشتہ، مدعا اینجا ست

قرآن کے معانی و مطالب کا ٹھیک فہم و ادراک اولاً اس امر پر موقوف ہے کہ اس کے روح

ومزاج کا سراغ لگایا جائے جو گنے چنے اوامر واحکام قرآن میں پائے جاتے ہیں، وہ جن مصالح وحکم پر مبنی ہوتے ہیں ان پر غور وفکر کرنے سے اس کے مزاج کا پتہ چلتا ہے قرآن دراصل ایک کتاب حکمت ہے۔ حکمت اصل اور بنیادی حقیقت ہے، اور احکام حسب ضرورت اس حکمت سے سرزد ہوتے ہیں قرآن میں احکام کی تعداد بہت کم ہے، اور جو احکام ہیں ان کے ساتھ ان کی حکمت بتلادی گئی ہے، جو اس کی علت کا حکم رکھتی ہے۔ اگر اوامر کی کثرت ہو جائے تو انسان کی جائز آزادی بھی بعض اوقات محدود ہو جاتی ہے چنانچہ حضور اکرمؐ کثرت سوال اور مفروضہ حالات پر کوئی حکم صادر کرنے کو ناپسند فرماتے تھے بخاری ومسلم میں ایک حدیث مختلف طریقوں سے بیان ہوئی ہے

دعونی ما ترکتم، انما اهلك من کان قبلکم کثرة سوالهم واختلافهم علی انبیائهم، فاذا نهیتکم عن شیٔ فاجتنبوه واذا امرتکم بامر فاتوا منه ما استطعتم (متفق علیہ)	مجھ کو چھوڑ دو، جب میں تم کو چھوڑ دوں بے شک اگلی امتوں کو کثرت سوال اور انبیاء کی مخالفت نے ہلاک کیا جب تم کو کسی بات سے منع کردوں، تو اس سے باز رہو، اور جس بات کا حکم دوں اس کو بجالاؤ جتنی تم میں استطاعت ہو۔

اسلام نے دین کی حقیقت یہ بتلائی ہے کہ "الدین یسر" دین آسانی کا نام ہے اور رسالت کا مقصد یہ ہے کہ انسان نے جن توہمات، رسوم وروایات کی زنجیروں میں اپنے آپ کو جکڑ لیا ہے ان سے چھٹکارا دلائے۔ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (الاعراف۔ ۱۵۷) احکام کی تعداد کم سے کم ہو اور زیادہ زور اصول پر دیا جائے، حکم کی محض ظاہری پابندی کر کے اس کے باطن اور اس کی حکمت سے غفلت برتنے والوں کو آگاہ کیا جائے، عبادات کا مقصود بتلایا جائے۔ اور ان کے کچھ ارکان وآداب معین کئے جائیں۔ لیکن ساتھ ہی تاکید کے ساتھ یہ تلقین کی جائے کہ ارکان وآداب ذرائع ووسائل ہیں، مقصود ومطلوب نہیں۔ اصلی نماز وہ ہے جو حضور قلب کے ساتھ ادا ہو: "لا صلوٰۃ الا بحضور القلب" اور وہ جو "فحشاء ومنکر" سے باز رکھے۔ نماز میں قبلہ رو ہونا آداب صلوٰۃ میں سے ایک ہے، لیکن قرآن نے یہ خطرہ محسوس کیا کہ کہیں اس کو جوہر صلوٰۃ اور اصول کا ہم پلہ نہ سمجھ لیا

جائے، تاکید کے ساتھ یہ بات ارشاد کی" وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ"
ایک دوسرے مقام پر ایک علیحدہ پیرایہ بیان کے ساتھ یہ واضح کیا گیا کہ اصل کام نیکیوں میں سبقت کرنا ہے، کسی خاص سمت منہ پھیرنا نہیں۔

قرآن کی تعلیمات دو پہلوؤں پر مشتمل ہے۔ایک اصول اور دوسرے احکام اصول آیات محکمات ہیں اور اپنی غیر متبدل پذیری کے سبب ام الکتاب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جزوی احکام و فروع آیات متشابہات ہیں جو حالات اور زمانے کے تقاضوں کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں اور جن کی مماثلت ملل گذشتہ اور ادیانِ سابقہ میں بھی پائی جاتی ہے

هُوَ الَّذِي أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ط (آل عمران - ۶)

وہی (حی وقیوم ذات) ہے جس نے تم پر الکتاب نازل فرمائی، اس میں ایک قسم تو محکم آیتوں کی ہے، اور وہ کتاب کی اصل و اساس ہیں اور دوسری قسم متشابہات کی ہے"۔

قرآن میں جو اصول و کلیات بیان کئے گئے ہیں، چونکہ ان کا اطلاق ہر زمانہ کے حالات پر جداگانہ ہوتا رہے گا اس لئے احکام میں بھی ترمیم و تبدیلی لازم آئے گی۔ حکمت کلیات کا نام ہے حیات وکائنات میں اشیاء حوادث کی کثرت ہے، لیکن یہ کثرت ہر جگہ آئین و قوانین میں منضبط و منسلک ہے۔ حکمت کثرت کے اندر وحدت کا عرفان ہے، یا جزئیات کے اندر ان کلیات کی تلاش ہے جو قانون ہونے کے سبب غیر متغیر ہیں۔

مگو کہ کثرتِ اشیاء نقیضِ وحدت ہست ۔۔۔ تو در حقیقتِ اشیاء نظر فگن ہمہ اوست

اسلام کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے زندگی کے تمام پہلوؤں اور متضاد حقیقتوں کو ایک واحد اصول فکر میں جمع کر دیا۔ اس امتزاج و ترکیب کے باعث اسلامی نظریہ حیات میں ایک جامعیت پیدا ہو گئی۔ جس سے تمام ملتیں آشنا تھیں۔ کائنات کے مختلف مظاہر و واقعات کو سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انھیں ایک کل کے اجزاء کی حیثیت سے دیکھا جائے ، کیوں کہ یہ نمود و بود

کا عالم ایک یونیورس (Universe) ہے ملٹی ورس (Multiverse) نہیں اگر غلطی سے جزو کو کل سمجھ لیا جائے تو جزوی صداقتوں کی پرستش لازم آئے گی، حالانکہ صداقت ایک کل ہے، جس کے مختلف اجزاء اور پہلو ہوتے ہیں، اور کسی ایک پہلو اور جزو کو کل حقیقت سمجھ لینے سے باقی اجزاء کی نفی لازم آتی ہے۔ اسی غلط اندیشی کی طرف قرآن نے تنبیہ کی ہے،

وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ (الرعد - ۲۵)	وہ اس چیز کو قطع کرتے ہیں جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے، اور اس طرح زمین میں موجب فساد ہوتے ہیں۔

قرآن نے ان تمام جزوی صداقتوں کو ایک کلی وحدت میں سمو دیا، جس میں کسی جزو کو کلی حیثیت نہیں دی گئی، مگر ہر ایک کو اس کے صحیح مقام پر رکھا گیا، اسی امتزاج و ترکیب، جمع و تالیف، اور اجتماعِ اضداد کا نام توحید ہے۔

لب پر از آہ و دروں پر ز خیالِ رُخِ دوست　　　در نفس دوزخ و در سینہ گلستاں دارم

مغربی تمدن نے ہر فن اور شعبۂ حیات میں تقسیمِ کار کے اصول پر اتنا زور دیا ہے کہ کسی شخص کو اپنے شعبہ یا فن کے سوا دیگر فنون سے کوئی مس نہیں رہا ہے۔ خصوصی ماہرین کے اس روز بازار میں یک رُخے انسانوں کی ہر طرف بہتات ہے، جو مسائلِ حیات کو صرف اپنے مخصوص شعبہ جاتی نقطۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ماہرینِ معاشیات اخلاقی امور کی اہمیت سے نابلد، سیاست داں مذہب اور اس کے انقلاب انگیز اثرات سے ناآشنا، اور دوسرے قسم کے ماہرینِ فن اپنے مخصوص علم کے سوا زندگی کے تقاضوں سے یکسر بیگانہ ہیں۔ عقیدۂ توحید کا عملی اقتضاء یہ ہے کہ ہم دنیا کے حالات و واقعات، تمدن کے مختلف اداروں، ملک کے نافذ الوقت قوانین، اور معاشرت و تعلیم کے مروجہ طریقوں کو اختیار یا ترک کرنے میں ان کے مجموعی نتائج کو پیشِ نظر رکھیں۔ کسی واقع، ادارہ، قانون یا رسم و رواج پر صرف اس حیثیت سے غور کرنا کہ وہ معاشی نقطۂ نظر سے سود مند یا ضرر رساں ہے، موجودہ تہذیب کا ایک خاصہ ہو گیا ہے۔ اسلام کا عقیدۂ توحید اس طرزِ فکر کا مخالف ہے۔ اسلام ہمیں زندگی کا ایک

کلی تصور اختیار کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ اس لئے وہ اشیاء کی قدر و قیمت کا معیار ان کے مجموعی نتائج کو قرار دیتا ہے۔ شراب کے متعلق قرآن حکیم کا یہ ارشاد کہ اس میں فوائد بھی ہیں، لیکن نقصانات زیادہ ہیں۔ لہٰذا یہ چیز قابلِ ترک قرار دی گئی، اسی طرز فکر کا آئینہ دار ہے۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے کسی چیز کے رد و قبول میں اس کے اخلاقی مؤثرات کو زیادہ وزن دو قعت دی گئی ہے۔

غریباں گم کردہ اند افلاک را　　　　در شکم جویند جانِ پاک را

مسلمان اس وقت جس چیز کو ابدی اسلام سمجھے ہوئے ہیں، اس میں کئی قسم کی آمیزش ہو گئی ہے، کچھ ازلی اصول بھی ہیں، اور کچھ تغیر پذیر فروع بھی۔ دینِ اسلام ایک ارتقاء پذیر مذہب ہے۔ جس طرح ایک تناور درخت اپنی اصل پر ثابت و قائم رہ کر ہر وقت نئی کونپلیں اور شاخیں اور نئے برگ و بار پیدا کرتا رہتا ہے، اسی طرح دینِ اسلام اپنی محکمات اور اساسی اصولوں پر قائم رہ کر اپنے فروعی، جزوی اور وقتی احکام میں حالات و زمانے کے تقاضوں کے ساتھ نئی نئی اصلاحات اور تبدیلیوں کو قبول کرتا رہتا ہے۔ اصل ثابت و قائم رہتی ہے، شاخیں اور پتے سوکھتے اور جھڑتے رہتے ہیں، ان پر خزاں و بہار کا عمل ہوتا رہتا ہے۔ فروع کا یہ تغیر و تبدل درخت کی بقاء اور نشو و ارتقاء کا باعث ہوتا ہے۔ اگر درخت اپنی اس نمو و بالیدگی سے رک جائے تو وہ زیادہ عرصہ تک سرسبز و شاداب نہیں رہ سکتا۔ کلمہ طیبہ کو قرآن نے ایک درخت ہی سے تشبیہ دی ہے، جس کی اصل ثابت اور ٹہنیاں فضائے سماوی میں سایہ گستر رہتی ہیں۔

احکام حالات کے تابع ہوتے ہیں، اور حالات ایک دوسرے کے خلاف ہونے کے سبب باہم دگر مختلف ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ اختلاف بادی النظر میں زیادہ محسوس نہیں ہوتا لیکن جوں جوں زمانہ گذرتا جاتا ہے یہ اختلاف نمایاں ہوتا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وقتی اور جزوی احکام میں نزولِ قرآن کے وقت بھی رد و بدل ہوتا رہا۔ صورتِ حال کے ساتھ ساتھ حکم میں بھی

تبدیلی ہوتی رہی۔ حضور اقدس ؐ نے اجتہادِ نبوی سے کام فرمایا، اس کے بعد اسلام کی اصلی روح کے مطابق خلفائے راشدین نے کہیں توسیع اور کہیں تخفیف کی۔ حالات کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے نئے نئے احکام وضع کئے گئے۔ صرف ان احکام سے اختلاف کیا گیا جو آنحضرت سے منسوب تھے بلکہ بعض قرآنی احکام کے مقابلہ میں بھی یہ صورت پیش آئی۔ حضرت عمرؓ کے طریق عمل سے اس دعوے کی تصدیق ہوتی ہے۔ مثلاً اسلام نے چوری کی سزا قطع ید مقرر کی تھی، لیکن اس میں کہیں یہ حکم نہ تھا کہ اس کے نفاذ کو کسی صورت میں معطل کیا جا سکتا ہے حضرت عمرؓ نے مصالح و حالات کے مدِ نظر ایام قحط، جسے عام الرمادہ سے موسوم کیا جاتا ہے، چوروں کے ہاتھ کاٹنے کی ممانعت فرمادی تھی۔ ایسے ہی آپ نے مصارف زکوٰۃ میں سے مولفۃ القلوب پر صرف کرنے سے یہ کہہ کر روک دیا تھا کہ اب اسلام کو طاقت و شوکت حاصل ہو چکی ہے اس لئے وہ علت باقی نہیں رہی جس کی بنا پر قرآن نے یہ حکم دیا تھا۔ ارکانِ حج میں رمل، یعنی اکڑ کر طواف کرنے، کی بابت بھی حضرت عمرؓ کا یہی خیال تھا اگرچہ کہ اس کو عملی صورت نہیں دی گئی۔

قرآن حکیم کی ہر نص کے پیچھے ایک علت ہوتی ہے۔ اس علت کا جاننا حکمت اور روح قرآن کا عرفان ہے۔ اگر کوئی مسلمان علت کے جانے بغیر محض نص کے الفاظ سے چمٹ جائے تو وہ خدا پرست ہونے کے بجائے الفاظ پرست ہو جائے گا۔

حرم جویاں درے را می پرستند　　فقیہاں دفترے را می پرستند
برافگن پردہ تا معلوم گردد　　کہ یاراں دیگرے را می پرستند

ہر عہد کا مصنف اپنے زمانہ کی پیداوار ہوتا ہے۔ جس خاص ذہنی سطح پر ایک عہد ہوتا ہے اور اس وقت حالات کے جو تقاضے ہوتے ہیں، انھیں کو لے کر وہ اپنی استعداد و صلاحیت کے موافق پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے یہ انسانی افکار و خیالات کی تاریخ کے عام حقائق ہیں، جن سے کوئی قوم ملک اور معاشرہ مستثنیٰ نہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ بعض استثنائی شخصیتیں ہر عہد میں ایسی پیدا ہوتی رہی ہیں جو اپنے خیالات و افکار کے لحاظ سے اپنے معاصر زمانہ سے بہت آگے بڑھی ہوئی تھیں، جن کا شمار ہمیشہ مجددین

امت میں ہوتا رہا۔ غرض یہ کہ ہمیں کسی مصنف کے تصنیفی کارناموں پر تنقید کرتے وقت اس عہد کے حالات یا حول اور گردوپیش کو مد نظر رکھنا ضروری ہے، تاکہ ہم اپنے فیصلے میں راہِ صواب پر رہیں، ہر زمانہ کی ضرورتیں اور تقاضے جداگانہ ہوتے ہیں۔ اپنے عہد کے مقتضیات وقت کو لے کر کسی گذشتہ دور کے مصنف پر جرح و تعدیل کرنا کہاں کی دانشمندی ہے۔ ذہن انسانی ارتقار پذیر ہے، اور وہ برابر عہد بہ عہد ترقی کرتا جارہا ہے۔ احوال وظروف جب بدلیں گے خیالات وافکار میں بھی تغیر لازمی ہوگا۔ محض اس بنار پر کہ حالاتِ حاضرہ کے لحاظ سے ان کا معیارِ فکر پست تھا۔ کسی کو قابلِ ملامت قرار دینا، حقایق سے چشم پوشی اور کوتاہ نظری کے مترادف ہے جس طرح ہم آج ان کے خیالات کی ہنسی اڑا رہے ہیں۔ ایسے ہی آنے والی نسلیں ہمارے افکار وخیالات کا مضحکہ اڑائیں گی۔

آسماں نسبت بہ عرش آمد فرود   ورنہ بس عالی است پیش خاکِ تود

یہ قصور ہمارا ہے کہ ہم اپنے عہد کا مطالعہ اپنے بزرگوں کی عینک لگا کر کر رہے ہیں، جو ہماری بصارت سے میل نہیں کھاتی، اور جس کے سبب ہر چیز غیر واضح اور دھندلی ہو کر رہ گئی ہے۔ ان بزرگوں نے کبھی یہ خواہش کی اور نہ اصولاً یہ درست ہے۔ ان کے فکر و نظر کے نتائج ذہن انسانی کے ارتقار کی تاریخ سمجھنے میں تو مفید ہو سکتے ہیں مگر موجودہ حالات پر ان کا انطباق یہ ہماری کوتاہ فہمی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لسانِ نبوت نے ہر زمانہ میں اجتہاد کی ترغیب وتحریص دلائی ہے، یہاں تک کہ اس میں غلطی کو بھی موجب ثواب گردانا ہے۔

زاتش از تیشہ خود جادۂ خویش   براہِ دیگراں رفتن عذاب است

اگر دستِ تو کار نادر آید   گناہے ہم اگر باشد ثواب است

اس وقت ہم مسلمانوں کے پاس فقہا اور علما، کا مرتب کردہ ایک دفتر بے پایاں موجود ہے اور مسلمان اس دفتر پارینہ کی پرستش کر رہے ہیں۔ حالات اور زمانے کا جائزہ لینے کے بجائے اپنی سہل انگاری سے وہ ہر مسئلہ کا حل ان کتابوں میں ڈھونڈ رہے ہیں۔ بیع وشرا، مالیات واقتصادیات کے تمام مسائل یکسر بدل چکے ہیں، اور ان کی ایسی صورتیں پیدا ہوگئی ہیں، جن کا وہم وگمان آج سے

صدی دو صدی قبل کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں گذر سکتا تھا۔ لونڈی غلاموں کے متعلق تمام فقہی موشگافیاں از کار رفتہ اور فرسودہ ہو چکی ہیں، لیکن ہمارے اصحاب جبہ و عمامہ اب تک اسی لکیر کو پیٹتے اور اپنی ذہنی کاوشوں سے داد سخن گستری دے رہے ہیں۔

زمانہ از رخ فردا کشود بند نقاب معاصران ہمہ سرمست بادۂ دوشند

حضورؐ کا ارشاد ہے، جو قوم جہاد یعنی زندگی کے ہر شعبہ میں جد و جہد کرنا چھوڑ دے گی وہ مغلوب و ذلیل ہو جائے گی۔ ہم نے اپنی فقہ کی کتابوں کو شریعت قرار دے کر انھیں اصلاح و ترمیم سے بالاتر کر دیا ہے۔ عقائد و عبادات بعینہ برقرار رکھتے ہوئے زمانہ کا شدید تقاضہ یہ ہے کہ معاشی، سیاسی اور تمدنی امور، جن کا تعلق ابواب معاملات سے ہے، تمام فقہ کی از سر نو تدوین کی جائے۔ پرانی عمارت کو گرا کر ایک نئی عمارت تعمیر کرنے کی شدید ضرورت ہے۔

کہنہ را در شکن و باز بہ تعمیر خرام ہر کہ در ورطۂ لا ماند بہ الا نرسید

اس پرانی عمارت کا ملبہ اور مسالہ بہت کچھ کام آسکتا ہے۔ اس نئی عمارت کی بنیاد دین اسلام کے اساسی اصول ہوں گے، لیکن بالائی تعمیر (super structure) کا نقشہ اپنے سابقہ نقشوں کے بالکلیہ ہم رنگ نہ ہوگا۔ یہ سنت اللہ ہے یہ چیز ہو کر رہے گی، خواہ درس و افتاء کے مسند نشینوں اور تجرد و انقطاع کے خلوت گزینوں کو کتنا ہی گراں گذرے۔ اسلام ایک زندہ، ابدی اور ارتقاء پذیر مذہب ہے اس کا محافظ و نگراں خود خلاقِ فطرت ہے۔ "اِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ" اگر کوئی قوم اس کی خدمت گزاری میں تساہل برتے گی، خواہ وہ باعتبار نسل و خاندان کتنی ہی قدامت کی حامل ہو، خالقِ کائنات کسی دوسری قوم کو اس سعادت اندوزی کے لئے پیدا کر دے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ (المائدہ - ۵۷)

مسلمانو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائیگا تو وہ یہ نہ سمجھے کہ اس کے پھر جانے سے دین حق کو کچھ نقصان پہنچے گا، قریب ہے کہ اللہ ایک ایسا گروہ (سچے مومنوں کا) پیدا کر دے، جنہیں خدا دوست رکھتا

ہو گا، اور وہ خدا کو دوست رکھنے والے ہوں گے۔

ایک دوسرے مقام پر قرآن اس دینِ فطرت کی ہمہ گیری اور عام قبول و تسلیم کی بابت عالمِ انسانیت کو یہ مژدۂ روح پرور سناتا ہے۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۚ

عن قریب ہم ان کو نفسِ انسانی کے اندر اور خارج کی دنیا میں اپنے نشانات دکھائیں گے، حتیٰ کہ ان پر ثابت ہو جائے گا کہ قرآن خدا کی سچی کتاب ہے"

اس وعدہ کی تکمیل پذیری میں اب زمانہ کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ اس دورِ برکت و سعادت کی بشارت لسانِ نبوت نے ان الفاظ میں دی ہے۔ "خوش ہو جاؤ! خوش ہو جاؤ! میری امت کی مثال ایک بارش کی طرح ہے کہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی ابتدا زیادہ اچھی ہے یا انتہا یا ایک باغ کی طرح ہے جس سے ایک لشکر ایک سال خوراک حاصل کرتا رہا، اور پھر دوسرا لشکر دوسرے سال خوراک حاصل کرتا رہا۔ ممکن ہے جو بعد میں آنے والا لشکر ہے، وہ زیادہ شان و شوکت کا حامل ہو اور زیادہ طاقتور اور کثیر التعداد ہو" عمل ارتقاء قانونِ قدرت ہے۔ انسانیت یقیناً درجہ بدرجہ ترقی کرتی جائے گی اس کا ہر سابق اپنے لاحق سے بلند تر ہوتا رہے گا۔

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ، فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ۔

یقیناً تم ایک مقام سے دوسرے مقام تک درجہ بدرجہ بلند ہوتے جاؤ گے، پھر آج کیوں ایمان نہیں لاتے۔

شبہائے تارکی گراں خوابیاں ختم ہو رہی ہیں جبینِ فلک پر آنے والے دور کی افق تابیاں درخشاں، اور مدراتِ سماوی بہ نویدِ جاں بخش ساکنانِ ارضی کو سنا رہے ہیں، فضائیں مست و بے خود، اور کائنات جھوم رہی ہے۔ زبان پر ترنم اور لبوں پر تبسم رقصاں ہے، جذبات میں تلاطم برپا اور نگاہوں میں شوخیاں مچل رہی ہیں۔

آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش　اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی

اس قدر ہوگی ترنم آفریں بادِ بہار
نکہتِ خوابیدہ غنچہ کی نوا ہوجائے گی
آملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک
بزمِ گل کی ہم نفس بادِ صبا ہوجائے گی
پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہوجائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائے گی

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

هُوَ الَّذِىٓ أَرْسَلَ رَسُولَهُۥ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُۥ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِۦ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (الصف - ۹)

استدراک

اس مقالہ کی تیاری میں جو مسالہ کام میں لایا گیا ہے وہ تمام تر امام الہند مولانا آزاد، ترجمانِ حقیقت علامہ اقبال، مفکر اسلام ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم اور دیگر اکابرینِ امت کے افکار و خیالات سے ماخوذ و مقتبس ہے۔ میرا اس میں اپنا کچھ نہیں۔ یہاں تک کہ الفاظ اور پیرایہ بیان بھی خود ان ہی حضرات کا ہے۔ میں نے صرف ان کی جمع و تالیف کی ہے، اور ایک خاص طرز و اسلوب میں انھیں باہم آمیز کر دیا ہے۔ یہ چند خوشنما پھولوں کا ایک گلدستہ ہے جو چمنستانِ اسلام کے مختلف گوشوں سے انتخاب کر کے فردوسِ نظر بنایا گیا ہے، البتہ ان سے جو نتائج اخذ کئے گئے ہیں، وہ میرا اپنا استنتاج و استخراج ہے، جس کی ساری ذمہ داری مجھ پر ہے، خواہ اس کے لئے نشانۂ ملامت بنایا جاؤں یا موردِ عنایت۔

جرم منست بیش تو گر قدرِ من کم است
خود کردہ ام لپیند خریدارِ خویش را

آیاتِ قرآنی کے معانی و مطالب کی توضیح و تشریح امام راغب اصفہانی اور امام الہند مولانا آزاد کے مختارات سے ہے۔ اس مضمون میں جہاں اصحاب جبہ و عمامہ اور زاویہ نشینانِ تجرد و انقطاع

ہوگا، اور وہ خدا کو دوست رکھنے والے ہوں گے۔

ایک دوسرے مقام پر قرآن اس دین فطرت کی ہمہ گیری اور عام قبول و تسلیم کی بابت عالم انسانیت کو یہ مژدۂ روح پرور سناتا ہے۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ؕ

عن قریب ہم ان کو نفس انسانی کے اندر اور خارج کی دنیا میں اپنے نشانات دکھائیں گے، حتیٰ کہ ان پر ثابت ہو جائے گا کہ قرآن خدا کی سچی کتاب ہے"

اس وعدہ کی تکمیل پذیری میں اب زمانہ کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ اس دور برکت و سعادت کی بشارت لسانِ نبوت نے ان الفاظ میں دی ہے۔ "خوش ہو جاؤ! خوش ہو جاؤ! میری امت کی مثال ایک بارش کی طرح ہے کہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی ابتدا زیادہ اچھی ہے یا انتہا یا ایک باغ کی طرح ہے جس سے ایک لشکر ایک سال خوراک حاصل کرتا رہا، اور پھر دوسرا لشکر دوسرے سال خوراک حاصل کرتا رہا۔ ممکن ہے جو بعد میں آنے والا لشکر ہے، وہ زیادہ شان و شوکت کا حامل ہو اور زیادہ طاقتور اور کثیر التعداد ہو" عمل ارتقار قانونِ قدرت ہے۔ انسانیت یقیناً درجہ بدرجہ ترقی کرتی جائے گی اس کا ہر سابق اپنے لاحق سے بلند تر ہوتا رہے گا۔

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ، فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ۔

یقیناً تم ایک مقام سے دوسرے مقام تک درجہ بدرجہ بلند ہوتے جاؤ گے، پھر آج کیوں ایمان نہیں لاتے۔

شبہائے تار کی گراں خوابیاں ختم ہو رہی ہیں جبینِ فلک پر آنے والے دور کی افق تابیاں رخشاں، اور مدبراتِ سماوی بر نوید جاں بخش ساکنانِ ارضی کو سنا رہے ہیں، فضائیں مست و بے خود، اور کائنات جھوم رہی ہے۔ زبان پر ترنم اور لبوں پر تبسم رقصاں ہے، جذبات میں تلاطم برپا اور نگاہوں میں شوخیاں مچل رہی ہیں۔

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی